OPEN ACCESS
Al Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219
ISSN (PRINT): 2707-1200

ARJISH, Vol: 5, Issue: 3,
July to September 2021
DOI: 10.53575/arjish.v5.3(21)u8.86-91
http://www.arjish.com

منشایاد کے افسانوں میں پُر اُمید رجحان

Optimistic Trends in the Fictions of Mansha Yad

Isma Latif[1*]
Dr. Tahira Iqbal[**]

Abstract
Muhammad Mansha Yaad was an exclusive Pakistani writer who always tried to uphold the principles rites of honesty and integrity in his literary work. He tried to represent the present age in his fiction. He has interpreted various aspects of life from his specific positive point of view. He always showed his grieves and the pain he felt for the common people. He effortlessly reflected the ethos of Punjabi culture. He has tried to portrait a variety of pictorial representation of simple characters related to real life.

Keywords: M. Mansha Yad, Fiction, Problems of common man, Ethos, Punjabi Culture, Pictorial portrait of simple characters

اُردو کے افسانوی ادب میں منشایاد کا شمار صف اول کے افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ اُنہوں نے زندگی کے مختلف شعبوں کی ترجمانی اپنے مخصوص مثبت نقطہ نظر سے کی ہے اور اپنا انفرادی اسلوب وضع کیا ہے۔ منشایاد ناصح یا واعظ نہیں لیکن اپنی کہانیوں کے ذریعے صحت مند اخلاقی روایات واقدار کی تبلیغ کرتے ہیں۔ زندگی کی حقیقی قدروں کو عملاً تسلیم کرنے سے پیدا ہونے والے توانا نتائج کے بل پر منشایاد انسان کے مقام کے تعین کے لیے طبقاتی فرق کو کسوٹی نہیں بناتے بلکہ اُس کے اندر موجود انسانی خوبی کو پرکھتے ہیں۔ منشایاد کے افسانوں کا پریشان حال کردار اپنے حالات سے دلبرداشتہ ہو کر خود کو منفی سوچ کی سپردگی میں نہیں دیتا۔ وہ بے یقینی، خوف وہراس اور معاشرتی تفاوت کی اس کیفیت میں بھی زندگی کا طلبگار ہے اور اپنی بے لوث نیکی کے ذریعے انسانیت کو زندگی کی نوید دیتا ہے۔

اُردو کے افسانوی ادب میں منشایاد کا شمار صف اول کے افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ منشایاد کے ہاں فن کی پختگی، گہرائی اور گیرائی پائی جاتی ہے۔ زندگی کے مختلف شعبوں اور انسانی فطرت کا باریک بین مطالعہ اُن کے افسانوں کا اٹوٹ انگ ہے۔ کسی بھی مقبول عام فن پارے کی طرح منشایاد کے افسانوی مجموعوں کی مقبولیت کا اہم سبب بھی اپنے دور کے اہم پہلوؤں کی عکاسی ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ معاشرے کی یہ ترجمانی منشایاد نے اپنے نقطہ نظر سے کی ہے اور اپنا انفرادی اسلوب وضع کیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ افراد معاشرہ تک اپنے مخصوص مثبت طرزِ فکر کی ترسیل کے لیے منشایاد نے شاعری کی حدود وقیود کو ترک کر کے نثر کے اظہار کی وسعتوں کو اپنایا۔

ڈاکٹر شہناز انجم نثر کے ہمہ گیر اظہار کے متعلق لکھتی ہیں:

''نثر کا تعلق چونکہ زندگی کے مختلف شعبوں سے ہے۔ اس لیے اس کے بے شمار موضوعات ہیں۔۔۔ نثر کی لوچ اور اس کی ہمہ گیری ہی

[*] Ph.d Urdu Scholar, Department of Urdu, GC Women University, Faisalabad
Email: selvaahmad17@gmail.com
[**] Department of Urdu, GC Women University, Faisalabad.

دراصل اس کی اہم خوبی ہے۔''(1)

منشایاد کی افسانہ نگاری میں موضوعات کی رنگارنگی کو خاص اہمیت حاصل ہے جن کا انتخاب پوری فنی ذمہ داری سے کیا گیا۔ یہ موضوعات خیال اور عمل کے بہت سے گوشوں کو منور کرتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ منشایاد ناصح یا واعظ نہیں تھے لیکن اپنی کہانیوں کے ذریعے اخلاقی روایات و اقدار کی غیر محسوس انداز سے تبلیغ کرتے ہیں۔ انسان جو بظاہر اس خوش فہمی میں نظر آتا ہے کہ خود غرضی اور پتھر دلی اس کی بقا کے لیے ضروری ہے لیکن اپنے باطن میں وہ اب بھی یقین رکھتا ہے کہ دوام فقط نیکی کو ہے باقی سب کچھ فانی ہے۔ منشایاد نے اپنے افسانوں میں سیرتِ انسان کے احسن پہلوؤں کو ہمیشہ زیر نظر رکھا۔ انہوں نے لعل و گوہر کی بجائے گم نام سنگریزوں میں آب و ہیرے کی صلابت کی نشاندہی کی ہے۔ یہ سنگریزے افسانوں کے ایسے خاموش کردار ہیں جو امید کی علامت بن کر بے لوث انسانیت کی زندگی کی نوید دیتے ہیں۔ یہ کردار عام آدمی میں چھپا ہوا ہیرو اور ہیرو میں چھپا ہوا عام آدمی ہے۔ جو صلے کا تقاضا کیے بغیر دوسروں کے دکھ درد کو اپنے اندر جذب کرتا ہے۔

''یہاں تک کہ ایک طویل عرصہ کے بعد اس گھر میں بھی فون کر ڈالا جس کے ایک کمرے میں اکیلے فرد نے آہوں اور سسکیوں کا بینک قائم کر رکھا تھا۔ اس بینک کے متمول کھاتہ دار کے فکس ڈپازٹس سود کے بعد دگنے چوگنے تھے مگر وہ صرف جمع کراتے تھے ڈرا کرانے کبھی کوئی نہ آتا تھا۔''(2)

مجموعہ ''بند مُٹھی میں جگنو'' کا اولین افسانہ ''دل کا بوجھ'' بھی بیک وقت امیر طبقے کی خود غرضی کے تقابل میں غریب طبقے کے ''گل باز خان'' کی بے غرض انسان دوستی کی داستان ہے۔ کہانی کا بیان کنندہ تسلی بخش حد تک آسودہ زندگی گزار رہا ہے۔ اسے اپنے مکان کی تعمیر کے دوران کام کی نگرانی اور عمارتی سامان کی دیکھ بھال کے لیے قابل اعتبار شخص کی ضرورت پڑتی ہے۔ آخر تین چوکیداروں سے دھوکا کھانے کے بعد اسے ''گل باز خان'' مل جاتا ہے۔ جس کی بظاہر چھوٹی چھوٹی بے لوث نیکیاں پیسے سے محبت کرنے والے اور بے غرض خدمات کا استحصال کرنے والے اعلیٰ طبقے کے افراد کو دکھاوے اور موقع پرستی کا آئینہ دکھاتی ہیں۔

جیسا کہ مالک مکان ملبہ اُٹھانے کے لیے گدھوں والے سے معاملہ طے کرتا ہے تو گل باز خان یہ ذمہ داری لے کر بلا معاوضہ ملبہ اُٹھانے کی خدمت انجام دے دیتا ہے۔ رات کو ریت اور بجری چھت پر پہنچا دیتا ہے تاکہ اگلے روز راج کا وقت ضائع نہ ہو اور اضافی مزدوروں کی ضرورت بھی نہ پڑے۔ لمبی سیڑھی کی ضرورت پڑنے پر کہیں سے پھولوں کی کیاریاں بنانے کے عوض سیڑھی لا دیتا ہے۔ مکان کی تعمیر مکمل ہونے کے دوران اور بعد میں بھی بیان کنندہ گل باز خان کا من ہی من میں احسان مند رہتا ہے۔ وہ گل باز خان کی بے لوث خدمات کا بدلہ دینے کا ارادہ کرتا ہے لیکن یہ ارادہ محض رادہ ہی رہتا ہے۔ اُس کا نام نہاد ''ارادہ'' اس کی خود غرض احتیاط کی نذر ہو جاتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف گل باز خان روپے پیسے کو کنکر مٹی سمجھتا ہے۔ اپنی اُجرت کو گنے بغیر لاپرواہی سے جیب میں ڈال کر اپنے کاموں میں مصروف ہو جاتا ہے اور تنگدستی اور کم وسائل کے باوجود اپنے دوست کے ہاتھ مالک مکان کی بیٹی کو فراک تحفے میں دیتا ہے۔

''بابو۔۔ صیب گل باز خان کا بیوی بیمار ہو گیا وہ جلتی جلتی وطن گیا، وہ بولتا ہم کو چھوٹا بچی بہت اچھا لگتا۔۔ ہم اِس کے واسطے تحفہ بناتی اور بیگم

صیب کو سلام بولتی۔''(دل کا بوجھ)(3)

یہ افسانہ بڑے دھیمے مگر پُر اثر انداز میں احساس دلاتا ہے کہ کسی کی مدد کر کے خوشی حاصل کرنے کا تعلق وسائل کے کم یا زیادہ ہونے سے نہیں بلکہ خلوص سے ہے۔اس طرح سادہ اندازِ بیان اور ہمہ گیر انسانی حوالہ اس افسانے کو بلند ادبی مرتبہ عطا کرتا ہے۔

افسانہ ''کالک'' بھی ایسے ہی ایک شخص کی کہانی ہے جس کے اندر کی نیکی اُسے رونے اور اپنے باطن کو بے حسی سے پاک کرنے پر اُکساتی ہے۔ اُس کے مطابق:

''جب میں رو لیتا تھا تو میری سوچیں سیدھی سادھی نرمل اور پاک صاف تھیں اور میں دوسروں کے بارے میں اچھی اچھی اور میٹھی باتیں سوچتا تھا۔''(4)

مگر حالات اور وقت کا کیا کیجیے کہ حوادث اور الم ناکیوں کا تواتر عمر بڑھنے کے ساتھ انسان کے دل کو سخت اور بے حس کر دیتا ہے اور اب وہ کوشش بھی کرتا ہے تو اُسے رونا نہیں آتا، اُسے اپنی اس بڑھتی ہوئی بے حسی کا پورا ادراک ہے۔اس لیے وہ اپنی زندگی کے ایسے واقعات یاد کرتا ہے جن سے اس کی نیک دلی ثابت ہو۔ ملاحظہ کریں کہ کس طرح نیک بن جانے کی یہ خواہش معاشرے کی اخلاقیات کو زندگی کی اُمید دلاتی ہے۔اچھائی اور برائی کی یہ باطنی کشمکش بہر کیف معاشرے کے لیے سود مند ہے۔ حالات کا محاسبہ کرنا اور تحقیق کے ذریعے خرابی اور انتشار کے اسباب کی نشاندہی کی کوشش بھی اس حیات کش منفی اور قنوطی ماحول میں ایک پُر امید اور مثبت فعل ہے جو حالات کو بہتری کی جانب لے جانے میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔

''ہر ایک نے اپنے اعمال و افعال سے تباہی کے اسباب مہیا کئے اگر یہ باہمی نفاق و انتشار اور مصلحتوں سے کام نہ لیتے تو یہ المیہ کبھی پیش نہ آتا۔''(5)

''سچائی ان کے دروازوں پر بار بار دستک دیتی مگر یہ ہر بار اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیتے۔''(6)

منشایاد کے اکثر افسانوں کے مرکزی کردار حقیقت سے قریب تر ہیں، ان میں چونکا دینے والی پرانے ہیروز کی خوبیاں تو نہیں کیونکہ وہ ایک عام انسان ہیں جو حالات سے نبرد آزما ہیں، ابتر خارجی عوامل کے سبب وہ نفسیاتی دباؤ اور انتشار کا شکار ہیں لیکن ان تمام مسائل اور ذاتی کمزوریوں کے باوجود قوت عمل کو جیسے تیسے قائم رکھے ہوئے ہیں۔

''پھر گھر کی تاریکی دور کرنے اور بیوی کو مشین بن جانے سے بچانے کے لیے اس نے شک کا گلا گھونٹ دیا اور درخواست دے دی۔ وہ ایک روز دیواروں سے اُتر کر بازوؤں میں جکڑ لینے والے خوف سے لڑ جھگڑ کر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔''(7)

نیکی کے ذریعے سچی خوشی کی جستجو کرنے والے اور اپنی غلطیوں پر پچھتانے والے یہ کردار اُن کی کئی کہانیوں میں زندگی کو نمو بخشتے ہیں۔

''کاش میں نے اسے روپیہ دو روپیہ دے دیا ہوتا یہ اُلجھن تو نہ ہوتی۔۔ روپیہ جس کا میں نے پان چبا کر تھوک دیا جسے میں سگریٹ کی صورت

پھونک رہا تھا، جس کی قیمت کا سوڈا واٹر میں بوتل میں چھوڑ آیا تھا۔''(8)

''چاند سی بیٹی، معقول آمدنی اور خوبصورت گھر مگر مجھے ہمیشہ کسی انجانی چیز کی کمی کا حساس رہتا تھا جسے میرا دل خوشی کے سچے ذائقے سے خالی ہو۔''(9)

دل کا خوشی کے سچے ذائقے سے خالی ہونا دراصل پچھتاوے کا وہ احساس ہے جو مرکزی کردار کے دل میں دورِ جوانی کی دیہاتی محبوبہ سے بے وفائی کے نتیجے میں مستقل جاگزیں ہے اور وہ اپنی موجودہ زندگی کی تمام تر آسودگیوں کے باوجود مطمئن نہیں ہو پاتا۔

معاشرتی اصلاح، اخلاقی میانہ روی اور محتاط روایت پسندی منشایاد کی کہانیوں کا خاصہ ہے۔ منشا کے کردار اپنی مفلوک الحالی اور مسائل کے باوجود بہتری اور اچھائی کی امید ہیں۔ یہ کردار معاشی، معاشرتی اور نفسیاتی بدحالی کا شکار ہیں لیکن ان کی حقیقی خوشی اُس چھوٹی سی نیکی کی مرہون منت ہے جس کے ذریعے وہ معاشرے کو خیر منتقل کرتے ہیں۔ افسانہ ''تیسرا شخص'' معاشرے میں موجود ہر اُس تیسرے آدمی کا قصہ ہے جو اپنی اچھائی اور خیر وخوبی کے باعث معاشرے کی بقا کا ضامن ہے۔ وہ دنیا میں نیکی کو زندہ و تابندہ رکھنے کے لیے مقدور بھر کوشش ضرور کرتا ہے۔

''اس نے بس سٹاپ پر نوجوان طلباء و طالبات اور دفتر کے لوگوں کو دھوپ میں جھلستے دیکھا تو اس کا جی چاہا کہ خود بادل کا بڑا سا ٹکڑا بن جائے اور ان پر سایہ کر دے۔ اس کے بقایاجات کا بل جب جنرل منیجر کی میز تک پہنچ جاتا ہے اور اس کا دوست اسے مبارک باد دیتا ہے تو اس کا جی چاہتا ہے کہ اس کا منہ موتیوں سے بھر دے مگر اس کی پھٹی پرانی پتلون میں صرف چالیس پیسے تھے۔''(10)

یہاں اُمید آفرینی کے سامنے یاسیت اور قنوطیت سرنگوں ہوتی نظر آتی ہے۔ ''خود بادل کا ٹکڑا بن جانے'' اور ''دوست کا مُنہ موتیوں سے بھر دینے'' جیسی خواہشات مستقبل سے وابستہ امید آفرینی بہجت انگیزی کی جھلک دکھاتی ہیں۔ منشایاد کے کرداروں کے دل میں بھلائی کرنے کی یہ خواہش ''مٹھی میں بند جگنو'' کی طرح ایک جلتی بجھتی جھلملاہٹ ہے جس کی تپش اور درجہ حرارت تو نہیں ہے لیکن نور ہے۔ جب یہ نور حالات سے تنگ آکر دہشت گرد بن جانے والے خودکش بمبار کے دل میں جاگزیں ہوتا ہے تو وہ بم کو مجمع میں نہیں بلکہ سرغنہ کے سر پر پھوڑ کر اُسے کیفر کردار تک پہنچا دیتا ہے اور نیکی کو ابدیت سے ہم کنار کرتا ہے۔

''اس سے نجات کا ایک اور طریقہ بھی ہے وہ بیگ کھولتا ہے نہیں نہیں ارے یہاں نہیں مکینک کے پاس لے جاؤ، وہ قہقہہ لگاتا ہے بٹن دباتا ہے، اس کا قہقہہ دھماکے کی طرح دور دور تک سنائی دیتا ہے۔''(11)

اپنے رنگارنگ موضوعات میں بعض منشا کو بہت عزیز ہیں، خاص طور پر دیہات چھوڑ کر شہر میں آنے والے لوگ اپنی دیہاتی اقدار کے متعلق جو جذبات رکھتے ہیں۔ ان کے اظہار میں منشا پر جو سرشاری طاری ہوتی ہے وہ منشا کی ادائے خاص ہے۔ وہ قبیح اور ناپسندیدہ روایات کو ترک کرنے کی ترغیب ضرور دلاتے ہیں لیکن صحت مند تہذیبی اقدار و روایات سے جذباتی وابستگی منشایاد کے ہاں مختلف حوالوں سے ابھرتی ہے۔ حقیقتاً اُن کے زوال میں معاشرے کا اجتماعی زوال ہے۔ تہذیبی قدروں کے زوال، اُن کو کھونے کی کسک اور بازیافت کی کوشش کا عمل اِن کے فنی سفر میں کسی نہ کسی حوالے سے موجود رہا ہے۔ جن میں سے ایک حوالہ تو ان قدروں کو کھونے کا ملال ہے اور دوسرا اِن کی تلاش اور جستجو

کا ہے۔ یہی جستجو در حقیقت دیمک زدہ سماج کو حیات نو کی نوید دے سکتی ہے۔

جیسا کہ افسانہ ''تیسرا گھر'' کا مرکزی کردار عبدالمنان اپنی شہری بیوی کے اُکسانے پر کسی نہ کسی طریقے سے اپنے رشتے داروں خاص طور آبائی گاؤں کے اُن عزیزوں سے جو اپنے شہر سے متعلقہ امور انجام دینے کے لیے وقت بے وقت ان کے گھر آجاتے تھے، سے چھٹکارا حاصل کر کے نام نہاد پر سکون شہری زندگی گزارنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ لیکن اُس کے لاشعور میں اپنی روایات سے کٹنے کی کسک موجود ہے۔ یہ کسک ہم پر کہانی کے انجام میں آشکار ہوتی ہے۔ جب عبدالمنان خواب میں ماسی فتح بی بی کو دیکھتا ہے جو گندلوں کا ساگ اور گنے سر پر رکھے اُس کے دروازے پر کھڑی ہے لیکن وہ اُس سے مل نہیں پاتا اور بے قرار ہو کر رونے لگتا ہے۔

منشایاد اپنے افسانوں کے ذریعے قاری کو جس نتیجے کی طرف لے جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ خیر و شر کی آویزش میں خیر کی حیثیت ''بند مٹھی میں جگنو'' کی سی ہے لیکن یہی جگنو اخلاقی طور پر تاریکی میں ڈوبتے ہوئے معاشرے کو اُمید کی کرن دکھاتا ہے۔ بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ منشایاد کے فن پارے اُن کے حکیمانہ افکار کی تشریح و توضیح ہے جس کے تحت وہ خیر و شر کے تصادم کے نعرے نہیں لگاتے، ملائمت اور دھیمے انداز سے ان دونوں کے اثرات اور ان کے مابین فرق کو واضح کرتے ہیں۔ سراج الدین اسلم اپنی تصنیف ''منشایاد شخصیت اور فن'' میں اس اچھائی کے بیانیے کے متعلق لکھتے ہیں:

''بے آواز اچھائی ہے جس کی طرف کوئی توجہ دیتا ہے، نہ یہ توجہ حاصل کرنے کے لیے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرتی ہے، یہ دین دھرم نظریہ رنگ نسل سے ماورا خالص انسانی اچھائی ہے ایسی اچھائی جس کی انسان کو خوراک رہائش اور لباس سے زیادہ ضرورت ہے کیونکہ اگر یہ معاشرے میں عام ہونے لگ جائے تو ہر معاشرتی احتیاج از خود پوری ہونے لگتی ہے۔''(12)

منشایاد کی کہانیوں میں کردار ایک آزاد اکائی کی حیثیت رکھتے ہیں اور افسانہ نگار تماشائی بن کر اپنی تخلیق میں حقیقی زندگی کا فریب نظر پیدا کرتا ہے۔ ان کے کرداروں میں رقت جذبات کے ساتھ بہہ جانے کی کمزوری یا جذبات کو مشتعل کرنے کے رویے کے بجائے بہتری کی جانب آہستہ روی اور دھیمے پن سے سفر جاری رکھنے کی قوت موجود ہے۔ وہ صورت حال سے حسب ضرورت مقابلہ کرنے اور ہم آہنگ ہونے کے لیے ہر دم تیار ہے۔

References

1. Shehnaz Anjum, Dr., Adbi NAsar ka Irtqa, Progressive Books Lahore, 1989, Pg. 18.
2. Mansha Yad, Door Ki Awaz, Pakistan Books Lahore, 1994, Pg. 32.
3. Mansha Yad, Dil ka Bojh Band Muthi Mein Jugnoo, Pakistan Books Lahore, 1975, Pg. 152.
4. Mansha Yad, Lohey ka Aadmi, Mashmoola, Mein Apnay Afsanon Mein Tumhey Phir Milon Ga, National Book Foundation Islamabad, 2011, Pg.23.
5. Mansha Yad, Zawal se Pehley, Mashmoola, Mein Apnay Afsanon Mein Tumhey Phir Milon Ga, National Book Foundation Islamabad, 2011, Pg.352.
6. Ibid, Pg.343.
7. Mansha Yad, Ghar Se Bahir Aik Din, Mashmoola, Mas aor Mitti, Modern Book Depot Islamabad, 1980, Pg. 59.
8. Mansha Yad, Duniya ka Aakhri Bhooka Aadmi, Mein Apnay Afsanon Mein Tumhey Phir Milon Ga,

National Book Foundation Islamabad, 2011, Pg.32.
9. Mansha Yad, Babool Se Lipti Beil, Mein Apnay Afsanon Mein Tumhey Phir Milon Ga, National Book Foundation Islamabad, 2011, Pg.33.
10. Muhammad Hameed Shahid, Duniya ka Aakhri Bhooka Aadmi, Mashmoola Pani me Gira Pani or Mansha Yad ke Doosrey Afsaney, Pg. 132.
11. Mansha Yad, Kirchian Aik Khuwab Ki, Mashmoola Mein Apnay Afsanon Mein Tumhey Phir Milon Ga, National Book Foundation Islamabad, 2011, Pg.624.
12. Aslam Siraj-ud-Din, Mansha Yad Shakhsiat aor Fun, Academy Abdyat Pakistan Islamabad, 2010, Pg. 105.